# بیدار مغز داعی

## جنرل عزیز المصری°

شہید حسن البنا کے ساتھ میرا پہلا تعارف، ۱۹۳۷ء میں، لندن سے واپسی پر ہوا۔ میں اس وقت ولی عہد کے ساتھ تھا۔ تین حضرات میرے انتظار میں تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ اخوان المسلمون کے لوگ ہیں۔ میں نے کہا کہ میں ان لوگوں سے نہیں ملنا چاہتا، چونکہ میں سمجھتا تھا کہ اخوان المسلمون تجدید و انقلاب کی فکر کی نمایندہ ہے۔ اگرچہ وہ جیکٹ اور پتلون میں ملبوس تھے، تاہم ان کے لباس انتہائی سادہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے ہاتھ میں تسبیح کے بجاے کتاب اٹھا رکھی تھی اور وہ میرے ساتھ اسی کتاب کے مندرجات پر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ضرور مگر ملاقات سے صاف انکار کر دیا۔

میرے تعجب کی اس وقت انتہا نہ رہی جب اگلے روز، تینوں میں سے ایک صاحب پھر

---

° مصر کی نمایاں عسکری شخصیت' خلافت عثمانیہ کے سقوط سے قبل آپ ترک فوج میں افسر تھے۔ آپ نے بلقان کے محاذ پر ترک فوج کے ساتھ مل کر جنگ لڑی۔ پہلی عالمی جنگ میں مصری اور ترکی افواج کے کمانڈر رہے۔ ۱۹۳۹ء میں مصری فوج کے چیف آف دی سٹاف کے عہدے پر پہنچے۔ آپ برطانوی قبضے کے مخالف تھے۔ دوسری عالمی جنگ میں آپ نے مصر سے باہر فرار ہوجانے کا ارادہ کیا، تاکہ جرمنوں کی صفوں میں شامل ہو کر، انگریزوں کے خلاف لڑیں اور اس طرح مصر کو برطانوی قبضے سے نجات دلائیں، مگر آپ کے فرار کی یہ کوشش اس لیے ناکام ہوگئی کہ جس جہاز کے ذریعے آپ فرار ہونا چاہتے تھے وہ گر کر تباہ ہوگیا۔ آپ کے ساتھ لیفٹیننٹ جنرل عبدالمنعم، عبدالرئیس اور حسین ذوالفقار صبری بھی فرار ہونے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔ آپ مصری فوج کے اندر قومی تحریک کے اعلیٰ رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ترجمہ: محمد ظہیرالدین بھٹی

میرے پاس تشریف لائے اور تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں حسن البنا ہوں۔ وہ میرے کل کے رویے سے واقف تھے، مگر انھیں اس توہین پر کوئی ملال نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان جس پس ماندگی کا شکار ہیں، اسی نے انھیں یہ دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سب مل کر مسلمانوں کو ایک بار پھر صحیح اور درست فکر کی جانب لے جائیں۔ ایک ایسی فکر جس کے ذریعے مسلمان علم وسائنس میں بھی پیش رفت کریں اور انسانیت کی ترقی و ہدایت کے لیے مشعل راہ کا کام بھی کریں۔

اس پہلی ملاقات ہی میں حسن البنا کی شخصیت کی عظمت نکھر کر سامنے آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ انانیت سے یکسر پاک، ایک ہوش مند اور بیدار مغز داعی ہیں۔ آپ خود چل کر میرے پاس تشریف لائے، حالانکہ مجھے، اپنے سخت رویے اور بدسلوکی کی وجہ سے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ میں دوبارہ کبھی ان سے مل سکوں گا۔

اس ملاقات کے بعد سے ان کے اور میرے درمیان رابطہ و تعلق مضبوط تر ہوتا گیا۔ ہم وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ مجھے ان کے چہرے پر ایمان، سچائی اور اخلاص کی علامات واضح نظر آتی تھیں، جنھیں دیکھ کر ان پر میرے اعتماد و یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔

جب انھیں شہید کیا گیا تو میں اس وقت غیر ملکیوں کے لیے قائم جیل کے دورے پر تھا۔ ایک افسر میرے پاس آیا، اس کے چہرے پر غم واندوہ کی پرچھائیاں گہری ہو چکی تھیں۔ سرکاری احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے مجھے یہ غم ناک خبر سنائی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس عظیم انسان کی رحلت سے میرے سینے میں خنجر پیوست ہو گیا ہو۔ (مجلہ الدعوۃ، قاہرہ، ۱۳ فروری ۱۹۵۱ء)

❋❋❋